Iqbal Review (64: 2)
(April - June 2023)
ISSN: (p)0021-0773
ISSN: (e)3006-9130

ذوق وشوق

احمد جاوید

Abstract

This article introduces Allama Iqbal's poem Zauq-o-Shaoq, drawing a thematic comparison between it and his famous poem Masjid-e-Qurtuba. The author suggests that these two poems form two poles in Iqbal's poetic universe: Masjid-e-Qurtuba reflects man's relationship with God, while Zauq-o-Shaoq reflects man's connection with the Prophet Muhammad (PBUH). Through these poems, Iqbal fully expresses his connection with both God and the Prophet, demonstrating the highest intellectual and emotional engagement. Zauq-o-Shaoq follows the classical Persian qasida technique, where nature is portrayed from a holistic perspective, showing both its complete form and deeper meanings. Iqbal presents nature from a vast and inclusive angle, reflecting not only its external beauty but also its hidden spiritual significance. This panoramic view of the desert, morning, and sunlight represents a broader universal context, where heart and mind come together. The heart perceives the deeper meanings, while the eye comprehends the outward form, showcasing the harmonious relationship between man and nature.

کلیات صفحہ نمبر ۴۳۸

ذوق وشوق کا ضروری تعارف یہ ہے۔ اس کی تاریخی تفصیلات سے قطع نظر کہ اقبال فلسطین گئے وہاں سے مدینہ قریب ہونے کے باوجود نہ جا سکے۔ اس کا Thematic تعارف یہ ہے کہ یہ ایک طرح سے اس کی وہی حیثیت ہے اقبال کی شاعری میں جو مسجد قرطبہ کی ہے بلکہ اگر ہم ایک تمثیل کا سہارا لیں کہ اقبال

کے جہانِ شعر کے دو Poles ہیں ایک مسجد قرطبہ ایک ذوق وشوق، ان دونوں Poles پہ یہ دنیا ان کی قائم ہے۔ تو مسجد قرطبہ مرد خدا پر لکھی گئی ہے اور ذوق وشوق مرد رسولؐ پر لکھی گئی ہے۔ تو اس میں اقبال کے جو دو خیالی اور احوالی منتہا ہیں یعنی خدا اور رسولؐ۔ دونوں کے ساتھ تعلق کی ہر سطح کو Expression مل گیا یعنی خدا کے ساتھ تعلق Exhaust کر دیا اقبال نے مسجد قرطبہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ تعلق پورا Express کر دیا۔ ذوق وشوق نے تو جس طرح کائنات اپنے ہر مرتبے میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے Poles پر قائم ہیں۔ اسی طرح اقبل کے جہان شعر میں آپ دیکھیے گا کہ Highest intellect اور Highest passion کیسے جمع کیا جاتا ہے۔ یہی وصف مسجد قرطبہ کا تھا۔ تو گویا ان کا Substonce of greatmess ایک ہے وہ Manifest ہوا دو نظموں میں تو یہ سعدی کے شعر سے شروع کیا۔

دریغ آمدم زاں ہمہ بوستان
تہی دست رفتن سوئے دوستاں

مطلب یہ عجیب بات ہوگئی کہ میں گلستان میں جاؤں اور واپسی میں دوستوں کے لیے خالی ہاتھ لوٹوں۔

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

یہ فارسی قصیدے کی تکنیک پر اس نظم کو شروع کیا ہے کہ کسی فطری منظر کا ایسا بیان جو احاطہ پھیلاؤ اور وسعت رکھتا ہو۔ مطلب جو جزوی نہ ہو کلی ہو۔ فطرات کو ایسے Angle سے دیکھنا جہاں اس کی Total foram اور اس کی Total meaning جمع ہوں یہ ہے انداز دید۔ تو انھوں نے فطرت کو ایسے Time ایسی situation اور ایسے angle سے دکھایا ہے یہاں پہ جہاں فطرت کی صورت بھی مکمل معلوم ہوتی ہے اور فطرت کے جتنے معانی ہیں وہ اس میں چھپے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، محسوس ہوتے ہیں۔ تو یہ کیوں میں کہہ رہا ہوں ایک تو اس منظر کی وسعت اور شدت کی وجہ سے کہ دشت میں پھیلاؤ ہے۔ صبح میں بھی ایک آفاقیت ہے۔ آفتاب میں بھی ایک بڑائی ہے اور نور کی ندیوں میں بھی ایک Allinclusiveness ہے تو یہ منظر مکمل ہو گیا۔ اب معانی کیسے مکمل ہوئے۔ معانی مکمل ہوئے ہیں قلب و نظر کی زندگی کہہ کر کہ نظر کی زندگی جس صورت پر موقوف ہے، نظر جس منظر میں پروان چڑھتی ہے وہ یہ منظر ہے اور دل جس معانی سے تسکین پاتا ہے، جس معرفت سے میراب ہوتا ہے وہ بھی اسی منظر میں چھپی ہوئی ہے۔ تو قلب وہ ہے جو معانی کو تکمیل شدہ حالت میں Ceive کرے۔ نظر وہ ہے جو صورت کو مکمل حالت میں View کرے۔ اب آپ سمجھے ناں کہ اس ایک مصرعے میں جو سادہ سا لفظوں کا مجموعہ ہے۔ ایک بات گویا انھوں نے آپ کو ایک

situation میں پھینک دیا کہ آدمی، مکمل آدمی فطرت کو اس کے کمال کی حالت میں مشاہدہ بھی کر رہا ہے اور سمجھ بھی رہا ہے۔ آپ سمجھے کہ ہمارے یہاں آفاقی وجود کی بناوٹ ہے آدمی اور فطرت کا تقابل، آدمی اور فطرت کا object Parallel ہونا فطرت کا آدمی کا subject ہونا، فطرت کا وجود کی صورت ہونا، آدمی کا شعور میں موجود وجود کی حقیقت ہونا، تو اس توازن اور اس تقابل کو اس شعر میں Highest possible سطح پر بیان کر دیا گیا۔ قلب ونظر کیا ہے، قلب ونظر ہے انسان کامل، یعنی آدمی مکمل ہے اگر اس کے قلب و نظر ایک object پر Focus ہیں جو وہ دیکھ رہا ہے۔ وہ دل کی خوئے دید کی بھی تسکین کر رہا ہے۔ دل کی خوئے دید کیا ہے؟ معانی اور حقائق کو دیکھنا۔ نظر کا اسلوب نظارہ کیا ہے صورت کو view کرنا، صورت کو اپنے حصار میں لے لینا۔ تو اس میں یہ شعر پہلا احساس یہ دلاتا ہے کہ آج میں نے پہلی مرتبہ مکمل آدمی اور مکمل فطرت کو دیکھنے والے اور دکھائی دینے والے تعلق سے پا لیا یا میں نے آج آدمی اور فطرت کو اس پوزیشن میں دیکھنا ہے جہاں فطرت کے معانی آدمی کے شعور میں موجود ہیں اور آدمی کے شعور میں موجود معانی فطرت کی صورت سے reflect کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر آدمی اور فطرت کے تعلق پر آپ کوئی اور Situation بنا ہی نہیں سکتے۔

سوال:

جواب: مکمل ہم آہنگی ایک ایسی مکمل ہم آہنگی جو identity with in otherness کے اصول پہ کھڑی ہوئی ہے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی نقطہ وجود کے دو فعال Agents اس اعتبار سے تو ان میں identity ہے لیکن دو ہیں۔ ایک اس نقطے کے حقائق کا حامل ہے دوسرا اس نقطے کی صورت کا وارث ہے۔ تو آپ نے گویا ایک ہی جست میں آپ کو انھوں نے یہاں تک پہنچا دیا کسی منطقی تفصیل میں ڈالے بغیر کسی احوالی پیچیدگی میں دھکیلے بغیر ایک دم آپ کی آنکھ یہ شعر کھول کر آپ کو اس بلندی پہ پہنچاتا ہے جہاں آپ بھی اپنے لیے مکمل ہو جاتے ہیں اور فطرت بھی آپ کے لیے مکمل ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ شعر مسجد قرطبہ کے ابتدائی شعر سے بڑا شعر ہے کیونکہ مسجد قرطبہ کو ایک الہیاتی Sapport حاصل تھی شروع کے بند میں۔ اس میں بڑی سے بڑی باتیں کہی ہوئی موجود ہیں لیکن یہ شعر کہ جہاں ان کا مطلوب ان کی منزل ان سے قریب ہے اس میں وہ ماحول پیدا کر کے فطرت کی تمام صورت ومعانی کی استعداد کو exhaust کر رہے ہیں اور میرے شعور کے تمام مطالبات کی تسکین فطرت سے کروا رہے ہیں۔ دوسرا پوائنٹ کہ ہم اس میں جو اس کی سطح ہے آس کو گرائے بغیر ہم کوشش کریں گے خود اچھل اچھل کے چھت کو چھونے کی کوشش کریں۔ سبحان اللہ! فطرت کہتے ہیں Same substance of the form and the symbol as well۔ اس کو یاد رکھیئے گا یہ اقبال نے آپ کو بتایا ہے، اگر یہ شعر نہ ہوتا تو ہم اس بات تک نہ پہنچ پاتے۔ مطلب اس بات کے اس اظہار تک نہ پہنچ پاتے کہ فطرت یعنی آفاق کیا ہے۔ آفاق ان forms کا مجموعہ ہے جو

forms ہوتے ہوئے symbols بھی ہیں کیونکہ اگر nature form یا Symbolic forms کا مجموعہ نہ ہوتو انسانی شعور یعنی قلب اس سے متعلق نہیں ہوسکتا۔ پھر فطرت صرف نظر کا موضوع رہے گی۔ یہ اگر وہ simple form ہو لیکن چونکہ یہ form ہے جو indicator ہے beyond کا۔ فطرت کا اصل مصرف قلب یا روحانی شعور کے لیے یہ ہے کہ یہ صورت اشارہ کرتی ہے۔ ماورائے صورت کی طرف لہٰذا یہ میرے دل کو بھی اپنی طرف کھینچتی ہے کیونکہ دل یکسو ہے ماورائے صورت کی طرف، نظر کا رخ ہے صورت کی جانب، دل لپکتا ہے ماورائے صورت کی طرف، تو فطرت میں نظر اور قلب کے تقاضے کو پورا کرنے کی استعداد موجود ہے۔ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ جو منظر میں تمھیں دکھا رہا ہوں یہ نظر کی تسکین تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ قلب کے تقاضے کو بھی پورا کرتا ہے۔ وہ اپنی symbolic meaning fullness سے اپنی format perfection سے یہ نظر کو بالکل سیراب کرتا ہے اور اپنے symbolic form سے یہ دل کو اس کی غذا پہنچاتا ہے۔ تو اب آپ دیکھئے کتنے اونچے درجے پہ nature کو لے گئے ہیں۔ اب سے symbolic بناوٹ بالکل اسی طرح ہے جس طرح فطرت میں موجود oprative symbolism ہے۔ اس کی purtly ذرا بھی ملاوٹ کیے بغیر یہ اس منظر کو بالکل direct objects میں بیان اس طرح کر رہے ہیں کہ اسی سے کھل جاتا ہے کہ یہی صورتیں علامتیں ہیں۔ علامت سب سے مکمل کون سی ہوتی ہے کہ میں اس چشمے کو علامت بناؤں اور اس کا چشمہ نظر آنا، اس کا چشمہ ہونا کسی بھی سطح پر فراموش نہ ہونے پائے۔ یہ شرط پوری کرتی ہے اگر دل کی آنکھوں سے دیکھ لیا جائے۔ تو اب آپ دیکھئے کہ کیا ہے کہ یہ علامت کا Matave کوئی زنگ ہے نہ تشبیہ کا کوئی حرف ہے۔ دشت، صبح چشمہ آفتاب، نور کی ندیاں، یہ دشت پورا آفاق ہے کیونکہ mature یہاں virgin ہے تو اس کی virginity اس کی totality کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے یعنی کہ ہم اگر nature کی virginity کو پچ کر دیں تو ہم نے گویا نیچر کو پورے symbolic اور formatmechanism کو سمجھ لیا۔

سوال:

جواب: وہ ایسے ہی ایک رواج تھا۔ ویسے علامہ کا انداز بھی ہے کہ بڑی نظمیں کچھ ایسی ہیں جو انھوں نے کسی مصرعے یا شعر سے شروع کیں۔ جیسے اسرار خودی ہے۔

سوال:

جواب: کچھ لے کر آئیں گے ناں۔ یہ نام انھی کا رکھا ہوا ہے ارمغان حجاز۔ میں اگر گیا تو تحفہ لے کر آؤں گا۔ جا ہی نہیں پائے۔

کلیات صفحہ نمبر ۴۳۸

تو اب یہ کہہ رہے ہیں کہ میں جس دشت کا منظر بتا رہا ہوں، یہ دشت آفاق کا virgin خاکہ ہے اور یہ کل فطرت ہے، کل nature ہے اور اس میں صبح کا سماں وہ divine intervention ہے جو nature کو form کی طرح create کرنے کے بعد اس کو اپنے جمال کا موضوع بنا کر معنویت عطا کرتی ہے۔ دشت میں صبح پہلے ان لفظوں کو سمجھ لیں۔ دشت nature صبح divine intervention اور چشمہ آفتاب spirce manfestation یا sourec of lightment نور کی ندیاں made of manifestation۔

سوال:

جواب: divine manifestation چشمہ آفتاب ہے source of manifestation نور کی ندیاں various modes of manifestation modes of manifestation بالکل کھل جائے گا اگر اس طرح اس کو focus کریں۔

تو اب یہ کہہ رہے ہیں کہ دشت میں صبح کا سماں ہے یعنی فطرت اپنے منتہائے صورت اور اپنے انتہائے معانی پر ہے فطرت نے اپنے کمال کے ساتھ پیدا اور ظاہر ہونا شروع کر دیا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ فطرت کا art of perfection کیا ہے اور فطرت کا source of perfection کسی طرح operate کر رہا ہے یہ مجھے دشت میں صبح کے وقت نظر آ رہا ہے تو یہ معانی سے جمال سے جھلکتی ہوئی صورت آنکھوں کو سیراب کر رہی ہے اور یہ صورتوں میں لہریں لیتا ہوا جمال قلب کو زندگی دے رہا ہے۔ یہ دو نکتے ہو گئے تیسرا یہ کہ دشت کو آپ مدینہ سمجھیں اور صبح کا سماں کو سمجھیں کہ ایک حقیقی دور وجود اور حقیقی دور شعور کا آغاز، صبح ایک ایسا آغاز ہے جو وجود کے لیے بھی نکتہ آغاز ہے اور شعور کے لیے بھی beginning point ہے اور یہ دونوں beginning generate ہو رہی ہیں ایک divine act سے لیکن بھائی! اس میں ذرا سا ان کے فلسفی ہونے کو بھی ذہن میں رکھیں ناں تو دشت میں صبح کا سماں کا ایک pattern paradoxical meaning ہے کہ دشت essence ہے، صبح کا سماں essence of time ہے تو میں اس angle سے دیکھ رہا ہوں جہاں time اور space جو ہیں وہ singalarize ہو رہے ہیں اپنے essence ہیں تو میں اس some essnce تک پہنچ چکا ہوں جس کے دو پہلو ہیں زمان ومکاں۔

سوال:

جواب: بالکل، جبھی تو قلب ونظر کی زندگی ہے ناں اور یہی رعایت دوسرے مصرعے میں اور پھیلا دیا ہے کہ دشت میں مکانیت ہوتی ہے ناں تو چشمہ آفتاب ایک مکانی اصول ہے اور صبح کے سماں میں ایک

زمانیت ہے وہ نور کی ندیوں کی روانی سے ظاہر ہے یعنی رواں کا لفظ زمانے سے مناسبت رکھتا ہے، چشمے کا لفظ مکان سے مناسبت رکھتا ہے۔ ہر طرح سے جڑا ہوا ہے۔ اس شعر کی فنی خوبی یہ ہے کہ اس میں استعمال ہونے والا ہر لفظ دوسرے لفظوں کے ساتھ کئی طرح کے رشتے اور مناسبتیں رکھتا ہے۔

حسن ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردہ وجود
دل کے لیے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں

یہ حد سے زیادہ بامعنی شعر ہے۔ اب انھوں نے صبح کی علامتی حیثیت کو مزید establish کرنے کے لیے دشت میں صبح کے سماں کی علامتی بلندی کو مزید محکم کرنے کے لیے اب اس کو کہا ہے کہ یہ جو دشت میں صبح کا سماں ہے، یہ اصل میں حسن ازل کی نمود ہے۔ یہ کوئی physical صبح اور یہ کوئی temporal time نہیں ہے۔ یہ حسن ازل کی نمود ہے۔ حسن ازل کی نمود کا جو بھی عمل ہوگا وہ time کو beyond temporality کر دے گا اور space کو beyond speciality کر دے گا۔ حسن ازل میں نمود کی حرکت زمانے کو اس کی حقیقت سے واصل کرے گی اور حسن ازل کا مظہر بننے کا عمل کائنات کو اس کی اصل سے جوڑ دے گا۔ اس کو کہہ رہے ہیں چاک ہے پردہ وجود کہ nature نے وجود کی defination پہ جو ایک پردہ ڈال رکھا ہے اپنی ناتمامی نقائص اور نارسائیوں کی وجہ سے وہ پردہ وجود چاک ہو گیا اور وجود اپنی اصل یعنی ظہور جمال کے معانی میں واضح ہو گیا اور زمان و مکان کے جبر سے نکل گیا۔ یہ اس کا ایک مطلب ہے لیکن اس کا جو بنیادی مطلب ہے، جو شاید ارادی مطلب ہے۔ میں یہ مطلب اس لیے بتا رہا ہوں کہ شعر کے حسن میں اضافہ ہو جائے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں وجود کو آپ لیں، وجود باعتبار حقیقت، چاک سے پردہ وجود کا مطلب ہے کہ وہ حقیقت جو پائے جانے والے وجود اور تصور وجود سے بھی ماورا ہے وہ ظاہر ہو گئی تو وجود اپنی form اور اپنے تصور سمیت فنا ہو گیا یعنی وجود کے تصور اور وجود کی واقعیت نے جو پردہ ڈال رکھا تھا حسن ازل پر وہ پردہ اٹھ گیا۔ وہ پردہ چاک ہو گیا، تو وجود واقعیت میں بھی محدود ہے اور اپنے تصور میں بھی محدود ہے اور حسن ازل پر گویا پردے کی طرح پڑا ہوا ہے۔ تو یہ پردہ چاک ہو گیا تصور میں بھی۔ یہ پردہ چاک ہو گیا صورت اور واقعیت میں بھی۔

سوال:

جواب: نہیں، اس کے لیے چاک کا لفظ نہیں آتا۔ اس کے لیے وہ اٹھ گیا۔ دل کے لیے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں...... چاک ہے پردہ وجود میں یہ بھی تو دیکھیں کہ قلب و نظر کی زندگی کا سامان ہو رہا ہے۔ پردہ وجود کو چاک کر کے یعنی اس کی صورت کو حسن ازل کی reflection سے مکمل کر کے اس کے معانی اور اس کی حقیقت کو حسن ازل کی اساس پہ کمال دے کر حسن ازل بطور معانی کے قلب کی پرورش کرتا ہے۔ بطور

صورت نظر کی پروردگاری کرتا ہے۔ چاک ہے پردہ وجود کہ اے نظر! تیرے حصے میں آیا ہوا وجود اتنا ناقص تھا کہ حسن ازل کی نمود کے ریلے میں بہہ گیا، اب تو دیکھ حسن ازل کو یہ ہے سامنے اور قلب سے کہا کہ اے قلب! تجھ پہ زمان و مکان کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے وجود کا تسلط قائم تھا ہم نے اسے بھی توڑ دیا اور اب میرے پاس حال نہیں ہے مشاہدہ ہے اسے آنکھ! تیرے پاس دید نہیں ہے بلکہ منزل دید ہے۔ تو دل کے لیے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں، یہ زیاں جو ہے یہ خوبصورتی کی حد ہے۔ یہاں پہ سود اور زیاں کا تقابل، سبحان اللہ اپنے باہر کو، ابھی میں کھولوں گا۔ یہ بہت ہی بہاؤ ہے اس کا اس مصرعے کو کہیں سے بھی پکڑ لیتے ہیں۔ ایک نگاہ کا زیاں کا مطلب اپنے باہر پر نظر ڈالنا۔ نگاہ ڈالنا اپنے سے باہر تو اب کیا ہے کہ اس نگاہ کا میں نے زیاں کیا۔ تو کہہ رہے ہیں کہ منظر اتنا حقیقی طور پر formulize ہو گیا ہے کہ اپنے سے باہر دیکھنا بھی اپنے اندر کی تکمیل بن گیا ہے۔ یعنی دل نظر کی مدد سے نظر کے تابع ہو کے خراب ہوتا ہے لیکن یہ منظر اتنا مکمل ہے کہ یہاں نظر جو ہے وہ دل کی تکمیل کا سامان کر رہی ہے۔ ایک نظر ڈالنا اس پر دل کو ہزار پہلوؤں سے سیراب اور مکمل کرنے کے معانی میں ہے۔ تو دیکھو یہ منظر اتنا مکمل ہے کہ اس نے باہر والی دنیا کو اندر والی دنیا سے زیادہ مکمل اور بامعانی بنا دیا۔ ''دشت میں صبح کا سماں حسن ازل کی نمود'' یہ اتنا کامل منظر ہے کہ اس پر ایک نگاہ جب پڑتی ہے تو دل اس نگاہ کا ہزار زاویوں سے احسان مند ہوتا ہے۔

سوال:

جواب: نہیں، ویسے یہ phrase اپنے طور پر اچھا ہے کہ دل کی سرشاری کا وہ عالم ہے کہ نگاہ بھی بوجھ بن گئی یہ phrase اپنے طور پر بہت اچھا ہے بلکہ اس کو ہم اقوال میں لکھتے ہیں۔ یہ بہت اچھا phrase ہے کہ دل ایسا سرشار ہے کہ نظر جو ہے وہ فضول ہو گئی ہے۔ آنکھ کی ضرورت نہیں رہی لیکن یہ کہ اس میں یہ مطلب نہیں ہے۔

سوال:

جواب: ہاں، دل کے لیے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں، یعنی دیکھنا دل کو زندہ رہنے کے اسباب فراہم کر دیتا ہے اور دل پہ یہ نوبت کبھی آ ہی نہیں سکتی کہ وہ اپنے سے باہر کی دنیا پر انحصار کرنے لگے لیکن حسن ازل کی نمود نے اب باہر کی دنیا کو ایسا بنا دیا ہے کہ وہ دل کے لیے نرسری بن گیا۔

سوال:

جواب: ہاں، یہاں حسن ازل ویسے تو سادہ معانی میں ہے حسن خداوندی، جمال خداوندی کے معانی میں ہے۔ حسن ازل کہتے ہیں کہ حق کا پہلا ظہور، وقت اور مکان سے پہلے کا ظہور، اسے حسن ازل کہتے ہیں تو کہتے ہیں وہی ظہور اولین کا اعادہ ہو رہا ہے تو اس کی جو beyondness ہے وہ بھی منظر میں transtate

ہو رہی ہے، ہر چیز کے درجہ وجود کو بڑھایا جا رہا ہے۔ زمان میں لازمانیت سے فیضیاب ہونے کی صلاحیت پیدا کر دی۔ مکان میں لامکانی یہ تابع ہونے کی قوت پیدا کر دی۔

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گی سحاب شب
کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں

منظر نگاری کا منتہا ہے یہ، مطلع سے ہی آپ ذرا غور کیجیے، صبح کو چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں صبح کے لیے اتنا اچھا منظر آپ نے پڑھا نہیں ہوگا۔ مطلب بہت fresh بہت vital اور بہت least crafted ہے جو منظر نگاری کے جوہر ہیں اور بہت بڑا منظر ہے۔ تو ہر صفت پوری کی ہے تو منظر اسی کو کہتے ہیں کہ جس کا منظر بنایا جا رہا ہے وہ اس سے چھوٹی رہ جائے وہ چیز تو دشت میں صبح کا سماں دیکھا ہوا جو ہے وہ اس سے چھوٹا ہے۔ تو اب پھر خالص منظر پر آ گئے کہ دیکھو صبح کی تفصیل یہ ہے کہ سرخ اور نیلی بدلیاں رات کا بادل اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گیا ہے۔ سرخ کو نقطہ آغاز بنایا گیا دن کا، کبود کو مظہر بنا گیا اپنا، نیلاہٹ کی مناسبت رات کے ساتھ ہے، سرخی کی مناسبت سحر کے ساتھ ہے۔ شفق، سورج نکلتے وقت سرخی، سحاب شب جو ہے وہ سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا اور یہ سرخ و کبود بدلیوں کو دیکھو تو سہی۔ آپ سمجھے یہ سامنے plain منظر ہے آنکھوں کے لیے سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب اب اس منظر کو دل کے لیے بھی موجب تسکین بنا رہے ہیں، کہیں بھی یہ رویہ چھوڑیں گے نہیں۔ آنکھوں کے لیے کتنا خوشنما منظر ہے۔ دوسرے مصرعے میں اچانک دل کی تسکین کا بھی سامان ہی منظر سے کر دیا کہ کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں، کیسے دل کی تسکین ہوئی اس منظر سے، حالانکہ یہ بھی ایک form ہے۔ یہ بھی ایک واقعاتی رنگ میں ہے۔

سوال:

جواب: آنکھ کے لیے قلب کے لیے ہم یہ دعویٰ کس بنیاد پر کر رہے ہیں کہ پہلا مصرعہ آنکھ کے لیے ہے یعنی نظر کی زندگی ہے دوسرے مصرعے میں قلب کی زندگی دکھا دی۔

سوال:

جواب: ہاں، قلب۔ آپ object پہ بالکل صحیح پہنچے۔ کوہ اضم مدینے کے پہاڑ کا نام ہے۔ تو کوہ اضم کی مدینے سے یہ نسبت جو ہے وہ دل کی زندگی کا سامان ہے۔ کوہ اضم کے ذکر نے دل کی زندگی کا سامان کر دیا۔

سوال:

جواب: ہاں، وہ قلب کی زندگی کا سامان ہے۔ تو کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں، اور طیلساں

جو ہے اس چادر کو کہتے ہیں جو دھاری دار ہو، جو محنت چادر ہو اور محنت چادر رسول اللہ کی ایک پسندیدہ چادر تھی جو گرد یمانی کہلاتی تھی۔تو طیلساں میں رسول اللہؐ کی طرف بھی ایک حقیقت اشارہ مل گیا اور کوہ اضم سے مدینے کی طرف واضح کنایہ مل گیا تو دونوں ہر طرح سے قلب کی زندگی کا سامان ہے ناں، دوسرے اس میں جو قلب ونظر کی رعایت ہے وہ بہت دقیق تکنیکی طرز پہ ہے وہ ہے سرخ وکبود اور رنگ برنگ سرخ وکبود کہتے ہیں defined colours کو جو نظر کے لیے ہے اور رنگ برنگ کہتے ہیں جو unqualified colours ہیں ناں یعنی non defined colours رنگ برنگ تو رنگ کی مناسبت معانی کے ساتھ زیادہ ہے احوال کے ساتھ زیادہ ہے۔سرخ وکبود کی مناسبت نگاہ کے ساتھ زیادہ ہے۔رنگ محدود ہو کر سرخ وکبود بنا ہے ناں۔تو نظر کو ضرورت ہے تحدید کی۔نظر لامحدود کو focus نہیں کر سکتی اور رنگ برنگ جو ہے وہ لامحدودیت کے ساتھ ہے۔اس میں تحدید اس میں تحدید نہیں لگائی گئی کیونکہ وہ قلب کے مشاہدے کا سامان ہے قلب کے لیے محدودیت نظارہ باعث ننگ اور باعث تشنگی ہے،سبحان اللہ۔

گرد سے پاک ہے ہوا، برگ تخیل دھل گئے

رنگ نواح کاظمہ نرم ہے پرنیال

کیا کہیے، کیا منظر کی تفصیلات ہیں۔اب منظر میں زمینی رنگ پیدا کیا ہے۔ابھی تک منظر بلندی پر ہے۔اب منظر کو افقی بنا رہے ہیں زمین پہ لا رہے ہیں۔آپ techniqae پہ نظر ضرور رکھیں۔اس سے لطف میں اضافہ ہوتا ہے۔techniqae آپ نے دیکھی کہ آسمانی سے زمینی بنانے کا عمل چل رہا ہے۔ اب زمین پہ آ گئے کہ گرد سے پاک ہے ہوا کہ یہاں جو چیزیں جمالیاتی تسکین کا سبب ہیں برگ تخیل دھ گئے۔ یہ منظر حسن ازل کی نمود اور چشمہ آفتاب سے سیراب ہونے سے پہلے مٹیالا تھا، دھندلا تھا، مادیت کی گرد سے ڈھنپا ہوا تھا لیکن چشمہ آفتاب نے حسن ازل کی نمود نے اس پورے منظر کو ان آلائشوں سے پاک کر دیا۔ برگ تخیل دھل گئے۔ ریگ نواح کاظمہ کہ دشت مدینہ کے مضافات کی ریت مخمل کی طرح نرم ہے، ریشم کی طرح نرم ہے یعنی حسن ازل کی نمود نے پورے دشت کی تمام objects کے ساتھ قلب ماہیت کر دی۔اب آپ دیکھ رہے ہیں ناں گرد، برگ تخیل، ریگ نواح کاظمہ یہ سب دشت کے objects ہیں، دشت کے coments ہیں اور بالکل اس سے جڑے ہوئے ہیں۔دشت عرب سے اور کاظمہ تو جانتے ہی ہوں گے ناں، مدینہ کا جو صحرا ہے اس کا نام کاظمہ ہے۔اب بالکل نیچے اتر آئے۔

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر

کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

کہہ رہے ہیں کیونکہ میں مدینے کے سفر پر مدینے کی طرف جاتے ہوئے مدینے کے دروازے پر

ہوں، ابھی مدینے میں داخل ہوتا ہے، ابھی منزل کے مضافات میں ہوں کیونکہ کاظمہ بھی مضافات میں ہے۔تو کہتے ہیں، میں بھی انھی قافلوں کی روایت میں ہوں جو ہمیشہ سے آتے رہے ہیں اس مقصود اور اس مرکز کی طرف،تو ان کے آثار سفر، ان کے آثار جذبات زیارت وہ اس دشت میں اس کی قیمتی ترین متاع کے طور پر اب بھی موجود ہیں۔یعنی جس محبوب کی طرف آج میں جا رہا ہوں، اس محبوب کی طرف سفر کرنے کی روایت کائنات جتنی قدیم ہے اور اس روایت کے تمام مراحل اس دشت نے جو مدینے کا دروازہ ہے، اپنے اندر محفوظ کیے ہوئے ہیں، وہی اس کا سب سے قیمتی content ہے یعنی گزرے ہوئے کارواں تھے ناں،ٹھہرے تھے، آگ جلائی ہوگی، خیمے اکھاڑے ہوں کچھ رسیاں ٹوٹی ہونگی۔تو یہ سب پہ بتا رہے ہیں کہ یہاں سب نے اشتیاق پر ادب کو غالب کر کے پڑاؤ ڈالا ہوگا۔اب اس میں دوسرا نکتہ یہ ہے۔

سوال:

جواب: نہیں، ادب کو اشتیاق پر غالب کر کے یہاں پڑاؤ ڈالا۔ ورنہ کس کا دل چاہتا ہے کہ وہ دس منٹ بھی ضائع کرے یہاں رکنے میں۔ سامنے مدینہ ہے لیکن انھوں نے ادب کو شوق پر غالب کیا اور پھر دوسرا یہ کہ جب آگ بجھ جاتی ہے۔انسانی روح میں اس کو یہیں دروازے پہ چھوڑ گئے جو طناب ٹوٹ جاتی ہے اس کو بھی یہاں ڈھیر کر گئے۔اپنے آپ کو پوری طرح مکمل اور لائق زیارت بنا کر وہاں پہنچے۔سب چیزیں یہاں رکھ جاتے ہیں کیونکہ ریگ سے پاک ہے ہوا۔ جو ہوا آفاقی ملاوٹ سے پاک ہے وہ ہوا انفس کی آمیزش کو بھی دور کرتی ہے۔

آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہی یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی

تو اب میں بالکل مدینے کے دروازے پر ہوں اور اب اسی طرح کا مرحلہ آنے والا ہے جس طرح رسول اللہؐ کو پیش آیا تھا اللہ کی طرف جانے میں یعنی سدرۃ المنتہیٰ پہ جبرئیل کا کلام ان سے ہوا تھا کیونکہ سدرۃ المنتہیٰ داخلہ ہے لامکاں کا۔تو عین یہی مہم مجھے درپیش ہے کہ میں رسول اللہؐ کے دربار میں جا رہا ہوں یہاں کا سدرۃ المنتہیٰ نواح کاظمہ ہے۔ وہاں بھی جبرئیل کی ضرورت پڑتی ہے۔تو جبرئیل معراج میں آئے تھے رسول اللہؐ کو ان کا مقام بتانے اور یہاں جبرئیل آئیں گے مجھے میرا مقام بتانے۔ وہاں جبرئیل قاصد وصال بن کے آئے تھے یہاں جبرئیل پیغمبر فراق بن کر آئیں گے۔آپ سمجھے اس کو کہاں بڑھا دیا لے جا کے۔تو آئی صدائے جبرئیل تیر مقام ہے یہی، وہی جبرئیل جو خدا جو خدا کے پیغامبر ہیں آج رسول اللہؐ کے پیغامبر بن کر مجھ سے بات کر رہے ہیں۔جن کے کلام کو رسول اللہؐ یقین سے اللہ کا کلام سمجھتے تھے وہ میرے پاس آ کر مجھ سے مخاطب ہیں کہ تو بھی اب یقین سے اس کو رسول اللہؐ کا کلام سمجھ۔تو گویا رسول اللہؐ کہہ رہے ہیں

تیرا مقام ہے یہی اس سے آگے نہیں۔

سوال:

جواب: ہاں، مسجد اقصیٰ سے گئے۔تو وہاں جبرئیل نے کہا تھا کہ میرا مقام ہے یہی سدرۃ المنتہیٰ پہ، یہاں جبرئیل کہہ رہے ہیں تیرا مقام ہے یہی۔اب دیکھیں عاجزی دیکھیں ناں کہ جبرئیل وہاں خود رکے تھے، یہاں مجھے روک دیا تو کیونکہ اس روک میں ایسی conveyauthoritg ہوگئی ہے کہ پھراس مقام کو اپنا لینا میرے لیے موجب قلق نہیں رہے گا۔تو اب کہہ رہے ہیں کہ جبرئیل کہہ رہے ہیں کہ تیرا مقام یہاں سے آگے نہیں جاسکتے تم۔تو اب یہ ایک قیامت تھی جو مجھ پرٹوٹنی چاہئے تھی ناں لیکن چونکہ جبرئیل نام ہے رسول اللہؐ کے یقینی کلام کا، تو اس لیے جب انھوں نے کہا، اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی، تو رسول اللہؐ اور جبرئیل کے تصرف سے اس قول کی تاثیر سے یہاں رک جانا فراق رسولؐ کو قبول کر لینا ہی میرے لیے نہ ختم ہونے والا عیش بن گیا۔وہ عیش جو خلاف امر حاضری سے نصیب نہیں ہوسکتا، وہ عیش مجھے امر کی تعمیل سے دور رہ کر حاصل ہوگیا۔

سوال:

جواب: فراق کی نسبت سے اور دوسرے یہ کہ کیونکہ تو فراق کی مٹی ہی سے بنایا گیا ہے، تیرے تمام کمالات فراق سے مشروط ہیں تو یہاں بھی رسول اللہؐ کی رحمت یہ ہے کہ تیرے خمیر وجود کو تجھ سے جدا نہ کیا جائے۔یہ تیرے مایہ کمال سے تجھ کو محروم نہ کیا جائے۔تو یہاں بھی تیرا اہل فراق میں ہونا برقرار رکھا جائے گا اور دیکھ لے اسی کو اس سفر کی قبولیت کی ضمانت سمجھا کہ جس طرح اللہ نے مجھے مکمل کرین کے لیے عرش پر بلایا تھا اسی طرح ہم نے تجھے مکمل کرنے کے لیے یہاں تک بلایا ہے تا کہ فراق تیرے لیے محض ایک تصور نہ رہے حال بن جائے یعنی تو خدا سے فراق کا جو قصہ چھیڑتا ہے تو وہ تصور ہے لیکن اب میں تجھے جو experince فراہم کر رہا ہوں یعنی اپنے سے دور رہنے کا جو تجھے تجربہ عطا کر رہا ہوں، یہ اب فراق تصور نہیں رہے گا بلکہ تیرا حال بن جائے گا اور تجھے کمزور کرنے کی بجائے تیری تکمیل کا سب سے بڑا سبب ثابت ہوگا۔تو اب یہ کیا، یہ انعام ملا ہے انھیں۔انعام کیا ملا ہے کہ بہت اللہ کے حوالے سے تم فراق کہتے رہے تو تم نے گویا اپنی حقیقت کے تصور کو اللہ کے سامنے فراق کی صورت میں مکمل کر لیا لیکن ابھی بھی تم ناقص تھے۔اگر تم یہاں نہ آتے تو تم ناقص رہتے کیونکہ فراق صرف تمھارا تصور رہتا جس کا کوئی تمہیں تجربہ نہیں تھا۔ہم نے تمہیں تمھارے اس سب سے بڑے تصور کو تمھارے لیے حال بنا کر دکھا دیا۔آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ اگر میرا اور آپ کے ذہن کا سب سے بڑا تصور اگر میرا حال بن جائے تو اس سے بڑی achievement کوئی ممکن ہے تو کہہ رہے ہیں کہ میں نے جا تیرے ideal کو تیرا حال بنا دیا۔میں نے

تیری حقیقت کو تیرا حال بنا دیا۔ میں نے تیری منزل کو تیرے پاؤں کے نیچے ڈال دیا۔

❁...❁...❁

کلیات صفحہ نمبر ۴۳۹

پہلے بند میں جو آئی صدائے جبرئیل تیرمقام ہے یہی، اس میں سے ایک آدھ چیز کھول کے ہم آگے کے لیے راستہ جو ہے وہ ڈھونڈیں گے۔

آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی

اس کی ایک واقعاتی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لیں کہ صدائے جبرئیل اور مقام کے الفاظ بہت بامعنی ہیں۔ جبرئیل character ہے حقائق کا سب سے مستند spokes man ہمارے یہاں جبرئیل ہیں۔ ایک جہت یہ ہوگئی دوسری جہت یہ ہوگی کہ اللہ کے سوا موجود ہونے کی جو سب سے بڑی حقیقتیں ہیں وہ جبرئیل میں جمع ہیں یعنی موجود ہونے کی سب سے بڑی حقیقت کیا ہے کہ اللہ سے واصل بھی ہونا اور اللہ کے ساتھ فراق میں بھی ہونا'' یہ سب سے بڑی حقیقت ہے اور یہ حقیقت جبرئیل میں مجسم ہے۔ جبرئیل جیسا مقرب بھی اپنے وجود کے ساتھ حضور باری میں کوئی نہیں یعنی وجود باری تعالیٰ اور وجود جبرئیل کے درمیان کچھ نہیں ہے اور ایسا فراق بھی کسی کو نصیب نہیں ہے جو جبرئیل کو ہے یعنی وہ فراق سب سے بڑا فراق ہوتا ہے جو انتہائے وصال پر حاصل ہو۔ تو جبرئیل کا character اس اعتبار سے ہر حقیقت کی طرح paradoxical ہے یعنی جبرئیل وجود کے حقائق کے اتنے بڑے containmer ہیں کہ خود ان کا وجود، ہستی کی حقیقت ہے یعنی ان کے وجود کی بناوٹ صورت کی طرح نہیں ہے حقیقت کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے معراج جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنے کا عمل تھا۔ تو جبرئیل کو دیکھنا گویا خدا کے وصل کے منتہا کو پہنچنا ہے اور جبرئیل کو دیکھنا گویا اس منتہائے وصل میں خدا کے فراق کا آخری experience اور انتہائی معرفت حاصل کرنا ہے۔ تو یہ جبرئیل علیہ السلام کے character کی ایک خاص معنویت ہے۔

سوال:

جواب: مطلب یہ کہ وہ خدا سے قریب ہیں خدا نہیں ہیں۔ ان کی ہر بات خدا کی بات ہے مطلب ان کا پورا contant of being بھی اور ان کا پورا content of expression بھی، ان کا پورا content of commoniceation بھی، ان کا پورا content of pereption بھی یہ سب کا الوہی

ہے۔ جبرئیل ایک بات کسی سے کہہ دیں تو گویا وہ خدا نے کہا ہے جبرئیل کوئی خبر دے دیں تو گویا خدا نے اپنے علم سے دی۔ جبرئیل کسی سے ناراض ہو جائیں تو اللہ کہتا ہے وہ میرا دشمن ہے۔ مطلب جبرئیل کی حیثیت سب سے بڑے spokesman کی تو ہے ہی ناں۔ تمام انبیاءؑ کی نبوتیں جبرئیل علیہ السلام کے واسطے پر ہیں یعنی جبرئیل جس سے بھی مل گئے وہ نبی ہے یعنی جبرئیل کو غیر نبی نہیں دیکھ سکتا۔ تو گویا ماسوا اللہ یعنی اللہ کی حقیقت وجود سے باہر جو ممکنات کے حقائق وجود ہیں وہ سب کے سب اپنی انتہائی حالت اور اپنے erystallized essnce کے ساتھ active ہیں جبرئیل علیہ السلام کی ذات میں آئی صدائے جبرئیل، اس کا مطلب ہے کہ آیا خدا کا فیصلہ، آیا حقیقت کو ظاہر ہونے سے پہلے جاننے والے کی آواز، جبرئیل حقیقت کو ظاہر ہونے سے پہلے جانتے تھے، اب وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ آواز آئی گویا خدا کی کہ تیرا مقام ہے یہی۔ خدا کا فرمان جبرئیل کی آواز میں آیا۔ مطلب اس سے بڑا کوئی تجربہ، اس سے بڑی کوئی معرفت ہو ہی نہیں سکتی۔ تو اب یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھ تک خدا کا یہ فیصلہ خدا کے بنائے ہوئے کامل وجودی model اور اس کے واحد ترجمان کی طرف سے پہنچا۔ یہ فیصلہ کہ تیرا مقام ہے یہی اور جبرئیل کی زبان سے ادا ہو کر اس فرمان میں ایک ایسے معانی پیدا ہو گئے جو جبرئیل کے charactor اور جبرئیل کی پیغامبری کو نکال دیا جائے تو وہ معانی نہ پیدا ہوئے یعنی یہ وہ فرمان ہے اللہ کا جو جبرئیل کی زبان سے ادا ہونے کی وجہ سے کچھ معنویتوں کا حامل ہو گیا یہی پیغام اگر کسی اور زبان سے ادا ہوتا تو اس میں یہ معانی اور عظمت، تحکم اور یہ حکمت نہ پیدا ہوتی۔ تو اب وہ کیوں پیدا ہو گیا کہ جبرئیل وصل کو ہر واصل سے زیادہ جانتے ہیں یعنی ہر واصل کے لیے وسیلہ ہیں جبرئیل، جبرئیل کے وسیلے کے بغیر کوئی وصل نہیں ہے اور ہر صاف فراق کو فراق کا بھی یہی فراہم کرتے ہیں۔ وہ مال کی حالت فراہم کرنے والا character کون، جبرئیل، فراق کی حقیقت کو چکھانے والا character کون، جبرئیل کیونکہ وصل اللہ سے ایک نسبت ہے۔ فراق اللہ سے دوسری نسبت ہے۔ صرف وصل بھی ادھورا ہے صرف فراق بھی ادھورا ہے۔ یہ دونوں نسبتیں جمع ہوں گی تو پھر اللہ یا اللہ کے رسولؐ کے ساتھ تعلق کا مجموعی حق ادا ہوگا۔ اب آپ سمجھے ناں کہ مدینہ کے نواح میں کھڑا ہوا ایک آدمی صدائے جبرئیل سن رہا ہے کہ تیرا مقام ہے یہی کہ تو رسول اللہ سے انتہائی قریب ہوتے ہوئے مکمل حقیقت فراق کا تجربہ کر رہا ہے میری طرح۔ اب اس کی height آ گئی۔ آپ سمجھ رہے ہیں ناں کہ اے وہ شخص جو نواح کاظمہ میں کھڑا ہوا ہے، جس کو ادب نے روکا ہوا ہے۔ دل اس کا لپک رہا ہے آگے بڑھنے کو، تو اس paradox کو سمجھ تو اپنی صلاحیت سے اس پورے paradox کو نہیں سمجھ سکتا۔ میں تجھے بتاتا ہوں کہ یہی تیرا مقام ہے۔ رسول اللہؐ کے قریب ہوتے ہوئے رسول اللہؐ کے فراق کی حالت میں ہونا، جس طرح میں اللہ کے قریب ہوتے ہوئے اللہ کے ہجر کی حالت میں رہتا ہوں۔ اس شعر میں خوفناک

بات یہ ہے کہ جبرئیل کہہ رہے ہیں کہ جو paradoxied نسبت مجھے اللہ سے حاصل ہے تو خوش ہو جا کہ تجھے وہی نسبت رسول اللہؐ سے حاصل ہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں ناں تیرا مقام ہے یہی۔ مقام کے دو معانی ہوتے ہیں منفی بھی مثبت بھی۔ مقام یہ کہ تیری اوقات یہی ہے۔ یہاں سے آگے تو ہل نہیں سکتا۔ یہ مقام ہے، یہ منفی معنوں میں اور دوسرا مطلب ہوتا ہے، تیرا مرتبہ یہی ہے کہ تو خوش ہو جا کہ تجھے اس station of separation سے separation of mearness پہ رکھا گیا ہے جو اپنے دوسرے پہلو سے ہے کہ تو خوش ہو جا کہ Union separation کو تیرے لیے ہم معانی اور ہم حال بنا دیا گیا ہے بالکل میری طرح۔ جس طرح اللہ نے میرے اندر Union اور separation کو جوڑ کر ان کا ایک مشترکہ تجربہ فراہم کیا ہے، ان کا ایک متحدہ حال فراہم کیا ہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں، یہ کتنی اونچی بات ہے۔ بس اس کو سمجھنا کہ اہل فراق کے لیے عیش دوام یہی ہے۔ یعنی عیش دوام وصل سے حاصل ہو رہا ہے لیکن اہل فراق ہونا lose نہیں کر رہے۔ وصل ان کا فراق میں ہے تو حقیقی ہے ورنہ وہ وصل تصوراتی ہے، فرضی ہے، وہمی ہے یعنی وصل، بڑے کا جو وصل ہوتا ہے یہ عام سی بات ہے، مطلب ہر آدمی اس کا تجربہ رکھتا ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے لیے کوئی خاص طرح کی audience چاہئے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو آدمی بھی کسی بڑے سے تعلق کا تجربہ رکھتا ہے ناں اس کے لیے بڑے کا وصل، بڑے کے فراق کے بنے ہوئے دائرے میں ہوتا ہے۔ یہ ہے وصل اور یہ ہے فراق، تو اسی بات کو دوسری طرح کہہ دیں کہ اس کا فراق وصل کے دائرے میں ہے۔ اس کا وصل فراق کے دائرے میں۔ تیرا مقام ہے یہی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اس بات کو آدمی تجربہ کر لے کہ وصل فراق کے دائرے میں ہونا چاہئے۔ آپ کے خیال میں یہ پوری rarlization انسان کے شعور سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ حال اگر میسر آ جائے تو یہ میرے قلب سے زیادہ نہیں ہے۔ میرا مطلب اس حال کو برداشت کر سکتا ہے، میرا شعور اس حقیقت کو grasp کر سکتا ہے کہ وصل فراق میں، فراق وصل میں کر ہی نہیں سکتا۔ تو کہہ رہے ہیں تو خوش ہو جا کہ تیرا مقام یہ ہے کہ انسانی شعور اپنی مجموعی ساخت میں جس معرفت کو اپنے اندر contain نہیں کر سکتا، انسان کا احساس اور قلب اپنی نوعی بناوٹ میں جس کیفیت کو برداشت نہیں کر سکتا میں نے تجھے وہ عطا کیا۔

سوال:

جواب: صوفیانہ اصطلاح ہے ناں کہ صاحب کیفیت کا مقام نہیں ہوتا۔ کیفیت جب معرفت بن جائے تو پھر وہ مقام حاصل ہوتا ہے یعنی کیفیت شعور میں آ جائے تو مقام ہے۔ شعور میں نہ آئے تو حال ہے۔ تو کہتے ہیں کہ تجھے ایسا حال دیا ہے جو معرفت کا بھی منتہا ہے اور ایسی معرفت دی ہے جس کا حال ناممکن تھا وہ معرفت تیرے لیے حال بنا دی گئی ہے۔ تو اب اہل فراق تو مزے ہی میں ہے ناں کہ ان کا

فراق بھی وصال میں ہے۔

سوال:

جواب: عیش میں آپ دیکھیں کہ اس میں ایک رعایت ہے کہ فراق اور عیش متضاد باتیں ہیں۔ان کو ایک کیا اور دوسرے دوام کا لفظ لا کے یہ کہہ دیا کہ فراق کبھی ختم نہیں ہوگا۔اہل فراق کا جو آپ کو لگ گیا ہے ناں tag یہ کبھی اترے گا نہیں تو کہہ رہے ہیں کہ یہ tag بھی نہیں اترے گا۔فراق بھی کبھی ختم نہیں ہوگا اور اس سارے دوران فراق میں آدمی مزے کرے۔مزے کیوں کرے گا کیونکہ اس کا فراق دور کیے ہوئے عاشق کا فراق نہیں ہے۔اس کا فراق رد کیے ہوئے دھتکارے ہوئے نالائق عاشق کا فراق نہیں ہے۔اس کا فراق محبوب کی طرف سے وہ انعام ہے جو قرب کے آخری مرحلوں میں بھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہ محبوب کو موجود ہونے کی تربیت فراہم کر رہا ہے اپنی یاد کے ساتھ تو دنیا میں سب سے بڑا موجود وہ ہے جس کے موجود ہونے کی کیفیت اپنے محبوب کو یاد رکھنے کی کیفیت سے جڑ گئی ہو۔تو عیش دوام ہے ناں۔قرآن میں آتا ہے ناں کہ کتنے دلوں کا اطمینان اللہ کی یاد میں ہے۔تو قرآن بہت حجت ہے اقبال کے ہاں تو عیش دوام کو آپ یہ لے لیں کہ مطلب actualabsence میں وہ expreience ideal presence کر رہا ہے۔

سوال:

جواب: ہاں، یہ اہل فراق بس یہ ہے، اس کے علاوہ نہیں ہے۔ یہ تھوڑی ہے کہ وہ گوجرانوالہ نہیں پہنچ پا رہا، یہ نہیں ہے اور فراق کوئی منفی چیز نہیں ہے۔فراق تو اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے تمہیں وجود دینا۔ فراق تمھارے وجود کا ضامن ہے۔ اب دیکھئے یہ آدمی کہہ رہا ہے جو جبرئیل سے یہ بشارت سن کے نکلا ہے۔آپ سمجھ گئے ناں اس آدمی کا مرتبہ آپ سمجھیں یہ آدمی اس مقام پہ پہنچا ہوا ہے اب یہ کہہ رہا ہے آگے

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے

حیات

کہنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے واردات

آپ نے دیکھا ناں، کس اونچائی پہ کھڑا ہوا آدمی یہ کہہ سکتا ہے ورنہ تو یہ کوئی معمولی آدمی تو نہیں ہو سکتا۔ کہے گا تو لگے گا کہ جھوٹ بول رہا ہے۔کس سے کہوں زہر ہے میرے لیے حیات، اس مصرعے میں زندگی کو زہر کہا گیا ہے کہ یہ جو زندگی جس ماحول میں، جن شرائط کے ساتھ مجھے ملی ہے یہ میرے وجود کو kill کرتی ہے، اس میں کوئی چیز add نہیں کرتی اسے sapport نہیں کرتی، اسے sustain نہیں کرتی۔ زندگی اور اس کی جو شرائط اور اس کا جو ماحول یعنی یہ دنیا جو ہے یہ میرے وجود کی نشو ونما میں کام کیا آئے یہ

اس وجود پہ کلہاڑا چلانے کا عمل ہے یہ پورا نظام حیات کیونکہ یہ میری spiritadlity کو زبردستی biologize کرتا ہے۔

سوال:

جواب: biologize کرنا یہ ہے کہ میرے وجود کی تمام جو بنیادیں ہیں وہ روحانی ہیں۔ یہاں زندگی کی اکثر بنیادیں جو ہیں وہ طبیعیاتی ہیں، جسمانی ہیں تو اس لیے زہر ہے میرے لیے، میرے وجود کو support نہیں کرتی، تو کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات کیونکہ حیات میں نفس کی وجہ سے ایک سرشاری اور لذت ہے ناں۔ تو کہتے ہیں زندگی جس نظام تاثر اور جس نظام کیفیات اور جس نظام شعور کا نام ہے وہ سب کا سب میرے لیے زہر ہے۔ میں اس زندگی کو درکار مضامین سے اپنے شعور کو آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس زندگی میں کام آنے والی کیفیات سے اپنی طبعیت کو گندا نہیں کرنا چاہتا۔ آپ یہ Transcendence دیکھ رہے ہیں۔ یہ وہی آدمی کہے گا ناں جس نے جبرئیل سے سنا ہے تیرا مقام ہے یہی۔ تو مقام کا کیا مطلب ہے کہ اس کا status of being بلند ہو گیا۔ اس کو جبرئیل نے بتا دیا کہ تمھارا status of being بلند ہے اس order of being سے۔ تو اب وہ کھل کے کہہ رہا ہے۔ کہ یہ کیا زندگی ہے؟ یہ کیا دنیا؟ میرا جو نظام ہستی ہے وہ اس mechanice سے تو کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتا۔ تو پٹرول سے زندگی کی گاڑی چلتی ہے۔ اس پٹرول سے میری روح کی سواری جام ہو جاتی ہے۔ میں اس سے بلند ہوں۔ اب اس کو بڑھا کے کہہ رہے ہیں۔ پہلے زندگی کو کہا اب پوری کائنات یعنی پورے order of existance کو کہہ رہے ہیں کہ کہنا ہے بزم کائنات تازہ ہیں واردات، اب اس میں جو واردات کا تازہ ہونا ہے یہ بہت بڑی چیز ہے، بہت بڑی چیز۔

سوال:

جواب: ہاں اس طرح جوڑ کے نہیں کہا ناں تقابل میں۔ کہنہ ہے بزم کائنات سادہ ہے کہ یہ کائنات کی صورتیں جیسی ہیں ویسی چلی آ رہی ہیں۔ اس کائنات میں موجود ہونے کا انداز جو ہے وہ جیسا ہے ویسے ہی چلا آ رہا ہے۔ یہاں کارفرما قوانین فطرت جیسے ہیں ویسے ہی چلے آ رہے ہیں۔ یہ کہنہ ہیں۔ اب یہاں سمجھنا ہے، تازہ ہیں میرے وادات۔ حق تعالیٰ نے کائنات کو خلق کر کے اس میں حقائق کی فراہمی والا channel بند کر دیا۔ اللہ نے کائنات کو خلق کر کے اسی میں موجود کچھ قوانین کی تحویل اور گرفت میں اس کو دیدیا کہ اب یہ اس طرح خود چلتی رہے گی۔ اللہ نے کائنات کو خلق کر کے صورتوں کا ایک Universal discipline کھڑا کر دیا اور اس disciplence کے اپنے machanies رکھ دیے جس پہ چلتی رہتی ہے لیکن حقائق کی فراہمی کا channel میں ہوں، اللہ حقائق کا channel مجھ پہ لاتا ہے، اللہ کائنات کو صورتیں

فراہم کرتا رہتا ہے، ایک جیسی صورتیں اور مجھے اللہ حقائق فراہم کرتا رہتا ہے۔تو وہ حقائق ایسے ہیں جو کبھی repeat نہیں ہوتے۔ایک حقیقت میسر آ گئی تو وہ دوبارہ کبھی نہیں آتی۔ دوبارہ جو بھی آئے گی وہ دوسری حقیقت ہوگی۔تو اب کہہ رہے ہیں کہ اللہ میری پرورش حقائق سے کر رہا ہے جو ہمیشہ نئے ہیں اور کائنات کی ربوبیت جو ہے وہ صورتوں کے ایک جیسے نظام سے کر رہا ہے یعنی کائنات کے لیے اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس کو گلاس ہی دیتے رہنا ہے تو وہ ایک جیسے گلاس دیے جا رہا ہے اور میرے بارے میں اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے قلب کو حقائق کی معرفت اور کیفیت سے سیراب کرتے رہنا ہے تو کوئی حقیقت اپنے آپ کو repeat نہیں کرتی۔ یہ ہے تازہ ہیں میرے واردات، ابھی واردات کو کھولتا ہوں کیونکہ حقائق تازہ ہیں لہٰذا حقائق کی تاثیر بھی تازہ ہے۔ایک حقیقت جو حال اور معرفت میرے اندر پیدا کر دیتی ہے، دوسری حقیقت آ کے اس حال اور اس معرفت کی جگہ لے لیتی ہے۔واردات، وارد کی جمع ہے۔وارد کہتے ہیں اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی معرفت یا حالت کو۔ واردات صوفیانہ experience کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے اسے فراہم کیا جاتا ہے، کیفیت کی شکل میں بھی اور معرفت کی صورت میں بھی۔تو کہہ رہے ہیں یا اللہ! میں تو ایک عجیب تذبذب میں پھنسا ہوا ہوں کہ یہ صورتیں جو آپ فراہم کر رہے ہیں کائنات کو انھیں دیکھ دیکھ کے میں تھک گیا ہوں اور عاجز آ گیا ہوں۔ یہ ایک جیسی ہیں اور جو حقائق آپ مجھے نوع بہ نوع فراہم کیے جا رہے ہیں ان حقائق سے پیدا ہونے والا شعور اور ان حقائق سے بیدار ہونے والی کیفیات کا کوئی match نہیں ہے وجود کے cosnic order کے ساتھ۔ یا اللہ کوئی match تو ہونا چاہئے تھا۔تو میرا قلب جن معارف سے بھرا ہوا ہے، میرا دل جن احوال سے دہک رہا ہے اس کی کوئی مناسبت مجھ سے باہر دنیا میں اور مجھ سے باہر نظامِ ہستی میں نہیں پائی جاتی۔تو میں ایک ایسی تنہائی میں پڑا ہوا ہوں۔

کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب تے منتظر اہل حرم کی سومنات

شعر آسان ہے لیکن شاعری پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ جو پہلے دو شعر ہیں ان میں فاصلہ بہت ہے، ان میں مزاج کا فرق بہت ہے۔اس میں ایک دم جیسے دوسری بات شروع ہوگئی۔

سوال:

جواب: ہاں، گریز ایک بند میں نہیں ہوگا۔گریز ہوگا تو بند کے شروع سے ہوگا۔ یہ مطلب شاعری پڑھنے کا فن ہے۔اب ظاہر ہے کہ اتنی بڑی نظم ہے تو یہ عیب نہیں ہوگا۔ پہلے تو آدمی یہ طے کر لے کہ اتنی جلدی بات بدل دینا عیب نہیں ہوگا۔عیب ہوتا تو یہ نظم بڑی نظم نہ کہلاتی۔ یہ تو اب ہمیں سمجھنا ہے کہ یہ کیوں کیا کہ پہلے تو اتنی بڑی بات کہہ دی کہ مئے حیات اور بزم کائنات سے ایک دم غزنوی اور اہل عرب اور

سومنات پہ آ گئے جو بہت چھوٹے چھوٹے charachters ہیں۔ یہ وہ فن ہے اقبال کا جس کو کہتے ہیں کہ historicization of the ideal ہیگل کا بہت مشہور equation ہے ناں کہ to ideatize the actual to idealize اور To actualize the ideal تو اقبال ہیگل سے بہت زیادہ ذوقی مناسبت رکھتے ہیں۔ تو اب آپ نے دیکھا، اوپر سمجھیں idea بیان کر دیا یا پوری بات idea کسے کہتے ہیں، پوری بات کو جو سب چیزوں پہ صادق آئے اس کو idea کہیں گے۔ اوپر idea بنا دیا اور ایک دم اس ideal کو actualize کر دیا یا historicize کر دیا۔ مطلب اپنے آپ کو بتا دیا۔ اپنا ایک اعتبار بتا دیا۔ اپنا مقام گفتگو بتا دیا کہ یہ حبیب جالب، ماہر القادری یا ان کی شاعری نہیں ہے کہ جس میں اہل حرم اور سومنات، ان کے ہاں بھی بہت ہیں۔ حفیظ جالندھری کے ہاں بھی بہت ہیں تو اوپر کے شعر نے یہ بتا دیا کہ یہ حفیظ جالندھری کا شعر نہیں آنے والا۔ اس میں اہل حرم اور سومنات وغیرہ کے وہ معانی نہیں ہوں گے جو تمھیں اب تک دستیاب ہیں۔ اب اس میں وہ معانی ہوں گے جو میں بتاؤں گا۔ آپ سمجھ گئے ہیں میری بات، یہ کمال ہوتا ہے۔ یہ بہت اپنے آپ کو معمولی ذہنوں کی گرفت سے نکالنے کا انتظام کیا ہے پہلے شعر میں کہ تم اپنے آپ کو ٹھیک کر لو، ہوشیار ہو جاؤ۔ اب میں ایک ایسی بات کہنے والا ہوں جو ان علامتوں، ان chearacters اور انھی لفظوں میں ہو گی جن کے بارے میں تمھیں خیال ہے کہ تم ان کے سارے معانی جانتے ہو لیکن خبردار! اپنے جانے ہوئے معانی سے دستبردار ہوئے بغیر تم میرے پیدا کردہ معانی کو نہیں پکڑ سکتے۔ تو اب میں تمھیں بتاتا ہوں۔ آپ جب دیکھیں صرف پہلے شعر کے grandure سے دوسرے شعر کے عام الفاظ علامتیں بن گئے تو اب کہہ رہے ہیں، کیا نہیں اور غزنوی کارگہہ حیات میں بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات، اس شعر کے معانی عرض کرتا ہوں آپ سے کہ دین اترا تھا خدا کی پرستش کروانے کے لیے، دین کو اہل حرم نے غیر خدا کی یا اپنی پرستش کا ذریعہ بنا دیا یعنی طاغوت کو خدا بنا دیا ہے خدا کو بھی اس جگہ نہیں رہنے دیا اور اپنے آپ کو بھی اپنے مقام پہ نہیں رکھا۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے۔ دو ہی تو ends ہیں۔ بندہ ہے معبود ہے تو ان بے وقوفوں نے بندے کو بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیا اور معبود کو بھی اس کے مقام سے الگ کر دیا یہ تو پوری کائنات تہس نہس ہو جائے گی ناں۔ تو یہ دونوں poles کو انھوں نے disturb کیا ہوا ہے۔ یہ اتنے بڑے targit atmosphere میں رہ رہا ہوں تو اس کے لیے جیسے انتظار میں ہے یہ chaotic universe of religion کہ کوئی غزنوی آئے اور اس سومنات کا خاتمہ کرے جہاں خدا کو اس کی جگہ سے ہٹایا گیا بندے کو اس کے مقام سے گرایا گیا۔ یہ اس کا بنیادی مطلب ہے۔ باقی آپ اس کو بڑھاتے جائیں۔

سوال:

جواب: نہیں، اہل حرم جمع کا صیغہ ہے۔

سوال:

جواب: ہاں بالکل، یہ اچھا انھوں نے نکتہ نکالا ہے کہ یہ اس طرح کے استفہام میں گویا یہ بتا رہے ہیں کہ میں غزنوی کا کام کر رہا ہوں۔ محمود غزنوی نے بتوں کو توڑا تھا جو باہر موجود تھے، میں ان بتوں کو توڑوں گا جو اندر موجود ہیں اور غزنوی کا رگہہ حیات کہا ہے کہ زندگی کے order میں جو ایک شرک داخل ہو گیا ہے میں اس کو توڑوں گا یعنی زندگی کو resubjectivize کروں گا اور غزنوی کون، ایک اصلی والا غزنوی جو تھا اس نے زندگی کو formalize کیا تھا میں زندگی کو re subjectivize کروں گا اور غزنوی کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی جو زندگی کو resubject کرے گا اور کیونکہ منتظر بیٹھے ناں، اہل حرم کے سومنات بھی منتظر بیٹھے ہیں۔ اس میں عجیب لطف ہے۔

سوال:

جواب: ہاں، ہمیں کوئی توڑ دے تو میں اس کو اس کی مرضی سے توڑوں گا۔ مطلب یہ اس میں ایک حسن ہے۔ اس سے زیادہ معانی نہیں نکالتے لیکن حسن اس میں بہت زیادہ ہے۔ اچھا اس میں مجھے ایک وہم ہو گیا ہے کہ کارگہہ حیات آپ لوگ سمجھتے ہیں؟

سوال:

جواب: زندگی کا praduction hoelse یہ کارگہہ ہے اس کے دو معانی ہوتے ہیں تو خود زندگی اپنے مظاہر create کر رہی ہے، genesate کر رہی ہے۔ کارگہہ حیات، دوسرے یہ کہ وہ جگہ جہاں زندگی اور اس کے اصول و مظاہر create کیے جا رہے ہیں تو یہاں دونوں مراد ہیں کہ زندگی کا جو self manifested order بن چکا ہے اس کو توڑنا ہے اور زندگی کی جو جبری manifestation ہیں انھیں بھی توڑنا ہے۔

سوال:

جواب: ہاں بالکل، مئے حیات سے ملایا ہے ناں۔ یعنی زندگی اپنی ideal form میں بھی توڑوں گا۔ زندگی کو اس کی actual form میں بھی کراؤں گا۔ زندگی اپنی actual form میں تو بن ہی چکی تھی۔ بت کدہ، میں اس بت کدے کو اس کی دونوں منزلوں پر مسمار کروں گا۔ میں اس لیے بتا رہا ہوں اور غزنوی کی روایت انھوں نے جو بتائی ہے وہ قوی ہے۔

ذکر عرب کے سوز میں فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات نے عجمی تخیلات

یہ مشکل شعر ہے۔ ذکرِ عرب کے سوز ہیں، یہ بہت مشکل ہے۔ اس میں ہر چیز بہت symbolized ہے۔ ذکرِ عرب، سوز، فکرِ وعجم، تخیلات، مشاہدات، عجمی، عربی ہر چیز کو کھولنا ہے۔ ان شاء اللہ اگلی بار کھولیں گے۔